جدید عربی شاعری کا امام
محمود سامی البارودی

(۱۸۳۸ء ـــــــــ ۱۹۰۴ء)

جناب مولوی مقتدیٰ حسن صاحب اعظمی۔ ایم، اے الازہر یونیورسٹی۔ قاہرہ

عربی شاعری نے اپنی ابتدائی زندگی سے انیسویں صدی کے اوائل تک مختلف ادوار دیکھے ہیں، جاہلیت اور صدر اسلام کی شاعری کا نمایاں پہلو اس کی سادگی اور بے تکلفی تھا، یعنی شاعر گرد وپیش کے کسی منظر یا واقعہ سے متاثر ہو کر اشعار میں اپنے دلی تاثر کا اظہار کیا کرتا تھا، الفاظ کی تزئین و آرائش اور کلام کے ظاہری محاسن کی طرف اس کی توجہ کم جاتی تھی، زبان پر پوری قدرت ہونے کے باعث جاہلی دور کا شاعر قلبی واردات کو سادگی کے ساتھ بیان کرتا تھا، اکثر اس کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ مختصر الفاظ میں اپنے مطلوب کو بیان کر دے اور کلام حشو و زوائد سے آلودہ نہ ہو۔ اسی وجہ سے اس دور کی شاعری [illegible] اور عرب قوم کی صحیح تصویر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ دوسری صدی ہجری کے ناقدین نے جاہلی شاعری کی اسی خصوصیت کے پیش نظر کہا تھا کہ: الشعر دیوان العرب۔ یعنی شاعری عربوں کا دیوان اور تاریخنامہ ہے جس سے ان کی زندگی کی صحیح تصویر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ جاہلی دور کے شعراء کی پرواز خیال میں وہ بلندی نہیں تھی جو بعد کے شعراء میں پیدا ہوئی، وہ مفہوم کے پیچھے فکر کی گہرائیوں میں اُترنے کے بجائے اپنے شعور و احساس کی تصویر بے کم و کاست پیش کر دیتے تھے، ان کے اشعار میں فلسفیانہ پیچیدگی اور منطقی الجھاؤ نہیں تھا، عربی کا یہ شعر ان کے سامنے تھا۔

ان أحسن بيت أنت قائلہ   بيت يقال اذا أنشدتہ صدقا

یعنی: سب سے بہتر شعر وہ ہے جسے سنکر سننے والا کہدے کہ: سچ کہا۔ جاہلی دور کی شاعری کو پتھر کی اس مضبوط عمارت سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنی مضبوطی اور استحکام کے باوجود ہر طرح کی تزئین و آرائش سے بالکل خالی ہے اور اس کا حسن اس کی سادگی اور استحکام ہی میں مضمر ہے۔

پھر جب عرب مفتوحہ علاقوں میں پہونچے اور وہاں کی تہذیب وتمدن، نظام حکومت اور مروجہ علوم وفنون سے روشناس ہوئے تو ان تمام چیزوں کا اثر ان کی ذہنی وفکری صلاحیتوں پر بھی پڑا اور ان کی سادہ زندگی میں ایک عظیم انقلاب رونما ہوا، اس انقلاب کا پرتو عربی شاعری پر پڑنا ضروری تھا، چنانچہ شعرار کے خیال میں ندرت ولطافت آئی اور نئے خیالات کو اشعار کا جامہ پہنایا گیا، شعرار نے ان موضوعات پر بھی طبع آزمائی کی جن کو پہلے شعرار نے ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ اس دور میں عربی شاعری کا ڈھانچہ وہی تھا جسے جاہلی شعرار نے تیار کیا تھا، لیکن تہذیب وتمدن کے تقاضوں اور فلسفیانہ علوم کی اشاعت سے اس ڈھانچہ میں بڑی تبدیلیاں آگئیں۔ یہی زمانہ عربی شاعری کے شباب وترقی کا زمانہ تھا۔

اس کے بعد جو شعرار آئے ان کے اندر فنی صلاحیتیں کم تھیں، قدمار کی طرح خیالات میں پختگی، زبان پر قدرت اور معنی آفرینی کا ملکہ چونکہ ان کے اندر نہیں تھا اس لئے انھوں نے اپنی ان کمزوریوں کی پردہ پوشی کے لئے محسناتِ شعریہ کا سہارا لیا اور شاعری کے بنیادی تقاضوں سے دور ہوتے گئے

جب عرب قوم پر دوسری قوموں کا تسلط ہوا تو ان کی زبان اور شاعری پر بھی اس کے اثرات مختلف ہوئے کیونکہ غیر ملکی حکمرانوں کا مطمح نظر قوم اور زبان کی ترقی وبہتری نہیں تھا، بلکہ وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ اپنا اقتدار باقی رکھیں اور ان کا شاہی خزانہ بھرتا رہے، اس لئے یہ دور عربی زبان وشاعری کے حق میں بڑا نازک دور تھا، ہر شخص کی نگاہ کسی ایسے آدمی کی طرف

لگی ہوئی تھی جو عربی شاعری کو اس کے دور انحطاط سے نکال کر ترقی کی شاہراہ پر لگا دے اور اس کے اندر پھر وہی قوت اور وہی حسن وجمال پیدا ہو جائے جس کا نمونہ جاہلی دور سے عباسی دور تک کی شاعری میں ملتا ہے۔ قدرت نے اس کام کے لئے مصر کے ایک فرزند محمود البارودی کو منتخب کیا جن کے حالات زندگی اور شاعرانہ صلاحیتوں کا جائزہ اس مقالہ میں لیا جائے گا۔

بارودی کا زمانہ ۱۷۹۸ء میں جب مصر پر نپولین کا حملہ ہوا تو مصری قوم اپنے طویل خواب غفلت سے بیدار ہوئی، ملک میں فرانسیسیوں کے داخلہ کے بعد اسے دنیاوی تمدن وترقی کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ نپولین نے مصر آنے کے بعد تھیٹر ہال کھولے، فرانسیسیوں کی اولاد کی تعلیم کے لئے مدارس قائم کئے، کاغذ کے کارخانے، رصدگاہیں اور کھیل کود کے لئے مختلف کلب تعمیر کرائے، اخبارات جاری ہوئے اور لائبریریاں قائم کی گئیں، اسی طرح مصری سائنس اکیڈمی کی بنیاد ڈالی گئی جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ مصر میں علوم ومعارف اور تہذیب وتمدن کی ترویج کی جائے۔ اکیڈمی کے ساتھ ساتھ دوسرے ادارے بھی قائم کئے گئے اور ملک میں علم کی اشاعت پر کافی زور دیا گیا۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ: مصر پر نپولین کا حملہ جنگی نہیں بلکہ علمی مہم کے ماتحت تھا[1]

فرانسیسی ذمہ داروں نے مصری قوم کو اپنے قریب لانے اور مصر میں جدید مغربی تہذیب کو فروغ دینے میں بڑی جدوجہد سے کام لیا اور ان کی کوشش کے اثرات ایک حد تک بارآور بھی ہوئے لیکن ۱۸۰۱ء میں جب وہ مصر چھوڑ کر گئے تو رفتہ رفتہ ان کی تہذیب وترقی کے اثرات کا رنگ بھی ہلکا ہوتا گیا، مگر یہ حقیقت ہے کہ اسی حملہ کے بعد مصریوں کے اندر یہ احساس پیدا ہوا کہ ہم دنیاوی میدان میں بہت پیچھے ہیں اور دوسری قومیں ترقی کی دوڑ میں بہت آگے بڑھ چکی ہیں[2]۔

---

[1] محمد رفعت: تاریخ مصر السیاسی ج ۱ ص ۳۹۔ [2] شوقی ضیف: الأدب العربی المعاصر فی مصر، ص ۱۳۔

نپولین نے مصر میں اپنے تین سالہ مختصر قیام کی مدت میں دفتری اور سرکاری امور کی اصلاح کی اور ملک کے داخلی مسائل کو منظم کیا[1] لیکن چونکہ اس کے کارندوں نے عوام پر ظلم وزیادتی شروع کردی اور ان کے حقوق کو پامال کرنے لگ گئے اس لئے مصری عوام ان سے بہت جلد بدظن اور متنفر ہوگئے اور فرانسیسیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا جس کے نتیجہ میں انھیں ملک چھوڑنا پڑا۔ مصریوں نے نپولین کے جانے کے بعد اسی کے طرز پر ملک کے داخلی مسائل کی اصلاح شروع کی اور ترقی کے لئے جدوجہد کی بنیاد ڈالی۔ انگریز مؤرخ الگوڈ (E. Elgood) کا بیان ہے کہ: مصر پر فرانسیسیوں کی آمد کے اثرات ناقابل محو ہیں، حکومت کے نظام پر پوری طرح فرانسیسی نظام کی چھاپ ہے، مصر کے تعلیم یافتہ طبقہ کا انداز فکر بھی فرانسیسیوں جیسا ہے[2]۔

۱۸۰۵ء میں مصری حکومت کی باگ ڈور جب محمد علی کے ہاتھ میں آئی تو اس نے ملک کی ترقی کے لئے بہت سے اہم اقدامات کئے جن میں ملیٹری کالج، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے اسکول ومدارس کا قیام اور تعلیمی وفود کو بیرون ملک بھیجنے کی کوششیں قابل ذکر ہیں۔

محمد علی نے اپنے دور حکومت میں عربی ادب پر زیادہ توجہ مبذول نہیں کی بلکہ اس نے صرف فوجی نقطۂ نظر سے اپنے آپ کو مضبوط بنایا تاکہ اس کا اقتدار واختیار محفوظ رہے، لیکن اس کے دور میں جو جنگی ترقیاں ہوئیں آگے چل کر انھیں کو ادبی ترقی کی بنیاد بنایا گیا، چنانچہ محمد علی کے دور میں جن کتابوں کا ترجمہ ہوا اور بیرون ملک سے تعلیم حاصل کرکے جو وفود مصر آئے انھوں نے مصری عوام وخواص میں ایک نئی روح پھونک دی اور انھیں سوچنے کا ایک نیا ڈھنگ عطا کیا۔ اس دور میں اگرچہ سرکاری زبان ترکی تھی لیکن اس کے باوجود عربی زبان کی ترقی کی ابتدا اسی دور میں ہوئی اور کتابوں کے ترجمہ سے ایک نئی زندگی پیدا ہوئی[3]۔

---

[1] شوقی ضیف: الأدب العربي المعاصر في مصر، ص ۱۲۔ [2] The Transit of Egypt

[3] عمر الدسوقی: فی الأدب الحدیث ج ۱ ص ۴۴۔

محمد علی کے بعد ۱۸۶۳ء میں اس کا پوتا اسماعیل پاشا مصر کے تخت شاہی پر بیٹھا، اس نے اپنے دور میں بہت سے اہم کام انجام دیئے، اس دور میں سیاسی اور سماجی خرابیاں ضرور تھیں لیکن عربی ادب کی موجودہ ترقی کی بنیاد اسماعیل ہی کے دور میں رکھی گئی اور اسی وقت ادبی تحریک نے اپنے بال و پر پیدا کئے۔ اسماعیل پاشا نے اپنے عہد میں بہت سے مدارس قائم کئے، ۱۸۷۱ء میں علی مبارک کے مشورہ سے مدرسہ دار العلوم قائم کیا گیا جس نے نئے انداز سے دین و ادب کی خدمت و ترقی کا کام شروع کیا، ۱۸۷۳ء میں لڑکیوں کا بھی ایک مدرسہ قائم کیا گیا جو ملک میں عورتوں کی تعلیم کا پہلا ادارہ تھا۔

طباعت، ترجمے اور تالیف کا سلسلہ بھی اسماعیل کے دور میں کافی ترقی پر تھا، اسی دور میں عربی کی مشہور کتابیں مثلاً: المثل السائر، الأغانی، تاریخ ابن خلدون و مقدمتہ، العقد الفرید، فقہ اللغۃ، وفیات الأعیان، احیاء العلوم، تفسیر الرازی، شرح القسطلانی، حیاۃ الحیوان، نفح الطیب، قانون ابن سیناء اور تذکرۂ داؤد وغیرہ جیسی شہرۂ آفاق کتابیں طبع ہوئیں۔

اسماعیل کے دور میں شعراء اور ادیبوں کا ایک گروہ ایسا تھا جس پر تقلیدی رنگ غالب تھا اور وہ جو کچھ کہتا یا لکھتا تھا اس میں اس کی شخصیت یا اس کے فن کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی تھی۔ اس کے برخلاف ایک گروہ ایسا بھی تھا جس کی تحریر میں جان اور اسلوب میں قوت تھی، پہلے کے باکمال ادباء اور شعراء کو اس نے اپنے سامنے رکھا اور ان کے نقش قدم پر چل کر ادب میں ایک نئی روح پھونکی، یہ صحیح ہے کہ اس طبقہ کے کلام میں متقدمین شعراء کے کلام کا حسن و جمال نہیں پیدا ہو سکا لیکن پھر بھی اس طبقہ کی شاعری اور نثر نگاری ان عیوب سے پاک تھی جن میں اس دور کے دوسرے شعراء اور ادباء ملوث تھے، دور جدید کی عربی شاعری میں نئی روح پھونکنے والے شعراء میں سب سے زیادہ نمایاں حیثیت محمود البارودی کی ہے جس کے ہاتھوں عربی شاعری کو ایک نیا موڑ ملا، صنائع و بدائع پر مشتمل پر تکلف اور بے جان اسلوب میں ایک نئی زندگی پیدا

ہوئی، ایسا محسوس ہونے لگا کہ شعر کے اندر قلب وشعور کو غذا دینے کی صلاحیت پھر سے عود کر آئی ہے[1]۔

حالاتِ زندگی | پورا نام محمود سامی البارودی ہے، ۱۸۳۸ء میں البحیرۃ نامی ضلع کے ایک گاؤں ایتای البارود میں پیدا ہوئے اور اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے البارودی کہلائے[2] ایک معزز جرکس خاندان سے آپ کا تعلق ہے جس کا سلسلۂ نسب مالیک (خاندانِ غلامان) سے ملتا ہے جو ۱۲۵۲ء سے ۱۵۱۷ء تک مصر پر حاکم تھے۔ البارودی اپنے اس نسب پر فخر کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

انا من معشر کرام علی الدھ ... رافادوہ عزۃ وصلاحا

عمروا الأرض مدۃ ثم زالوا ... مثلما زالت القرون اجتیاحا

یعنی: میرا تعلق ایسی جماعت سے ہے جس نے زمانہ کو عزت وسدھار عطا کیا۔ اس جماعت کے افراد نے زمین کو ایک عرصہ تک آباد رکھا پھر زمانہ کی طرح وہ بھی گذر گئے۔

سات سال کی عمر میں آپ کے والد کا انتقال ہوگیا، ابتدائی تعلیم گھر ہی پر حاصل کی، بارہ سال کی عمر میں خاندانی دستور کے مطابق ملیٹری کالج میں داخل ہوئے اور سولہ سال کی عمر میں ۱۸۵۴ء میں کالج کی تعلیم سے فارغ ہوئے۔ طبیعت کی بہادری اور شباب کا تقاضہ تھا کہ فوج میں ملازمت کرکے آباء اجداد کا نام روشن کریں، لیکن ملازمت نہیں مل سکی، اپنے جذبات کی تسکین کے لئے .... انھوں نے قدماء کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا جس سے آپ کی شاعرانہ صلاحیتیں بیدار ہوئیں رزمیہ کلام اور شجاعت وبہادری کی داستانوں پر مشتمل عربی ادب کے سرمایہ سے آپ کو بہت دلچسپی تھی، آپ نے ممتاز عرب شعراء کے کلام کو سامنے رکھکر شعر کہنا شروع کیا اور اس میں پوری طرح کامیابی حاصل کی۔

---

[1] عمر الدسوقی: فی الادب الحدیث ج ۱، ص ۱۴۴، [2] شوقی ضیف: الادب العربی المعاصر ص ۸۳،

ملازمت میں ناکامی کے بعد بارودی مصر سے دل برداشتہ ہو کر خلافت اسلامی کے مستقر آستانے پہونچے اور وزارت خارجہ میں ملازم ہو گئے، یہاں کے دوران قیام میں آپ نے ترکی اور فارسی زبانوں پر عبور حاصل کر لیا اور ان زبانوں میں اشعار بھی کہے[1]۔

اسماعیل پاشا مصر سے آستانہ آیا تو واپسی میں بارودی کو بھی اپنے ساتھ مصر لے آیا، بارودی یہاں اس کے درباریوں میں شامل ہو گئے اور انھیں فوج میں ایک مناسب عہدہ پر سرفراز کر دیا گیا۔ جزیرۂ کریٹ میں جب اسماعیل پاشا کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکی تو اسے فرو کرنے کے لئے جو فوج بھیجی گئی اس میں بارودی بھی شریک تھے، جزیرہ کی فضا بارودی کو بہت پسند آئی، یہاں انھوں نے جزیرہ کے بارے میں اشعار کہے اور لڑائی کے مناظر قلمبند کئے۔

اسماعیل پاشا کو آپ پر بہت اعتماد تھا اس لئے اس نے بارودی کو اپنا سکریٹری مقرر کر لیا، ۱۸۷۸ء میں ترکی کے خلاف جب روس نے اعلان جنگ کیا تو اسماعیل پاشا نے خلیفہ کی مدد کے لئے فوج بھیجی جس میں بارودی بھی شریک تھے۔ لڑائی کے میدان اور گردوپیش کے دوسرے مناظر نے آپ کی شاعرانہ قوت کو جلا بخشی اور آپ نے ان تمام مناظر کو اشعار میں قلمبند کیا۔

اسماعیل پاشا کے بعد جب اس کا بیٹا توفیق پاشا مصر کے تخت پر بیٹھا تو اس کے زمانے میں بارودی مختلف عہدوں پر فائز کئے گئے۔ اس دور میں حکومت کے خلاف جو بغاوت ہوئی اس میں بارودی بھی شریک تھے جس کی وجہ سے دوسرے لوگوں کے ساتھ انھیں بھی جلاوطن کیا گیا، لنکا میں آپ نے سترہ سال جلاوطنی کی زندگی بسر کی، وطن کے اشتیاق، پردیس کی زندگی اور احباب کی جدائی کے متعلق آپ نے اس مدت میں جو اشعار کہے ہیں وہ آپ کی شاعری کا بہترین نمونہ قرار دیئے جاتے ہیں۔ بارودی کی جلاوطنی ہی کے زمانہ میں ان کی لڑکی اور بیوی کا انتقال ہو گیا جس کا انھیں بہت صدمہ تھا۔ ۱۹۰۰ء میں ارباب حکومت نے جلاوطن

---

[1] شوقی ضیف: الادب العربی المعاصر ص ۸۴۔

لوگوں کو واپس آنے کی اجازت دی تو سب لوگوں کے ساتھ بارودی بھی مصر واپس آئے اور اپنے ساتھ اشعار کا وہ وثیقہ بھی لائے جسے انھوں نے اس طویل مدت میں تیار کیا تھا اور جو ان کے احساس وخیالات کا سچا ترجمان تھا۔ مصر پہونچنے کے بعد بارودی نے اشعار پر نظرثانی کی اور انھیں مرتب کیا۔ دسمبر ۱۹۰۴ء میں آپ نے وفات پائی، رحمہ اللہ تعالی۔ وفات کے بعد آپ کی دوسری بیوی نے آپ کا دیوان شائع کرکے ادبی دنیا پر زبردست احسان کیا۔[1]

"مختارات البارودی" کے نام سے آپ نے عربی کے تیس[2] عمدہ شعراء کے کلام کا ایک انتخاب بھی کیا تھا جو آپ کے ذوق کی بلندی اور حسن انتخاب کی واضح مثال ہے۔

اخلاق وعادات: جدید عربی شاعری کا ہیرو ایک سپاہیانہ ماحول میں پھلا پھولا اور اس ماحول نے اس کے اخلاق وعادات پر گہرا اثر چھوڑا۔ جوانی کے زمانہ میں عزم ویقین اور عالی ہمتی کی جو خو پیدا ہوئی تھی وہ ہمیشہ باقی رہی۔ اپنی ابتدائی زندگی میں لہو ولعب اور ناؤ نوش کے مشغلہ سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے خود کہتے ہیں ؎

لهج بالحروب لا يألف الخفـ	ـض ولا يصحب الفتاة الرداحا
مسعر للوغى أخو غدوات	تجعل الأرض ماتما وصياحا
لا يُرى عابثا على شيم الدهـ	ـر، ولا عابثا ولا مزاحا
يفعل الفعلة التي تبهر النا	س، وتترك لها العيون طماحا

یعنی: لڑائی پر فریفتہ اور ذلت سے نا آشنا ہے، تاریکی میں لڑکیوں کے ساتھ نہیں رہتا۔ لڑائی کو بھڑکاتا ہے، میدان جنگ میں اس کی آمد ورفت سے لوگ چیخ وپکار مچاتے ہیں اور ان میں صف ماتم بچھ جاتی ہے۔

زمانہ کے نامساعد حالات سے برافروختہ نہیں ہوتا اور نہ لغو ومزاح سے سروکار

---

[1] شوقی ضیف: الادب العربی المعاصر ص ۸۶، [2] الورد الجندی: الشعر العربی المعاصر ص ۲۳،

رکھتا ہے۔

اس کے اعمال لوگوں کو تعجب میں ڈال دیتے ہیں، اور ان کی نگاہیں رشک سے اٹھنے لگتی ہیں۔

پھر آپ کی زندگی میں ایک نیا موڑ آیا یعنی جاہ و مرتبہ اور مال و دولت کے حصول کے بعد آپ نے وقار و وضعداری کی چادر اتار دی اور ناؤ نوش کی زندگی بسر کرنے لگے، اب آپ کا یہ مذہب ہوگیا ؎

والہ بما شئت قبل مندمۃ یکثر فیہا العناء و الکمد

فلیس بعد الشباب مقترح ولا وراء المشیب مفتقد

یعنی: رنج و غم سے بھرپور ندامت سے پہلے اپنی خواہش کے مطابق کھیل کود اور لہو و لعب میں حصہ لے لو

اس لئے کہ جوانی کے بعد کوئی خواہش اور بڑھاپے کے بعد کوئی جستجو باقی نہیں رہ جائے گی۔

اس کے باوجود آپ نے کبھی دین کو استخفاف و تحقیر کی نظر سے نہیں دیکھا۔

احباب کا پاس اور ان کے ساتھ اخلاق و کشادہ دلی کا معاملہ آپ کا امتیاز تھا، حوصلہ کی بلندی کا تذکرہ متعدد اشعار میں ملتا ہے، لکھتے ہیں ؎

ومن تکن العلیاء ھمۃ نفسہ فکل الذی یلقاہ فیہا محبب

اذا أنا لم اعط المکارم حقہا فلا عزنی خال ولا ضمنی أب

یعنی: جس شخص کا مقصد بلندی ہے اس کے نزدیک اس راہ کی ہر چیز محبوب ہے۔

مکارم اخلاق کا حق اگر میں خود نہ ادا کروں تو مجھے نہ تو ماموں کی طرف سے عزت ملے گی نہ باپ کی طرف سے۔

مال و دولت آپ کے نزدیک ذکر خیر اور حصول فضائل کا ذریعہ ہیں، اس کے خرچ پر زور دیتے ہوئے کہتے ہیں ؎

فلا تحسبن المال ینفع ربہ اذا ھو لم تحمد قراہ العشائر

فقد یستجم المال والمجد غائب　　وقد لا یکون المال والمجد حاضر
ولو أن اسباب السیادۃ بالغنی　　لکاثر رب الفضل بالمال تاجر

یعنی: مالدار کو مال سے کوئی فائدہ نہیں اگر لوگ اس کی مہمان نوازی کی تعریف نہ کریں۔
کبھی مال کی کثرت ہوتی ہے اور شرافت غائب، اور کبھی مال نہیں رہتا لیکن آدمی شریف و معزز مانا جاتا ہے۔
اگر سرداری مال کے سبب ہوتی تو مالدار ہمیشہ اصحاب فضل و کمال پر غالب رہتے۔
انسانوں کی دل جوئی، معاملہ کی نرمی اور حلم و بردباری کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلاتے ہیں ؎

اذا شئت ان تحیا سعیدا فلا تکن　　لدودا، ولا تدفع ید اللین بالقسر
ولا تحتقر ذا فاقۃ فلربما　　لقیت بہ شہما یبذ علی المثری

یعنی: اگر تم سعادتمندی سے زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو جھگڑالو نہ بنو اور نرمی کا جواب سختی سے نہ دیا کرو۔
کسی فاقہ مست کو حقیر نہ سمجھو، ممکن ہے وہ فطانت و دانائی میں مالدار سے آگے ہو۔

تعلیم و تربیت | صدیوں کی مردہ عرب شاعری میں جان ڈالنے والے اس شاعر کی تعلیم و تربیت فوجی انداز پر ہوئی تھی، جب بارودی ملیٹری کالج سے تعلیم مکمل کر کے نکلے تو کسے خبر تھی کہ مصر کا یہ سپاہی تلوار سے زیادہ قلم سے کام لے گا اور فن سپہ گری کے بجائے میدان شعر و ادب میں اپنی طبیعت کے جوہر دکھائے گا۔ کالج کی فوجی تعلیم مکمل کرنے کے بعد بارودی نے شعر و ادب کی کتابوں کا مطالعہ پورے انہماک و اشتیاق سے شروع کیا۔ بارودی کے معاصر اور دوست شیخ المرصفی کا بیان ہے: بارودی نے اپنے طبعی میلان کے باعث سن شعور کو پہونچنے کے بعد شعراء کے دواوین کا مطالعہ شروع کیا، طبیعت کی جولانی اور ذہن کی تیزی کی بدولت بہت جلد آپ کو عربی زبان کے عمدہ اسالیب اور جملہ قواعد پر عبور حاصل ہو گیا، مشہور شعراء کے بے شمار اشعار یاد کر لئے اور اسی کے ساتھ ایک مجموعہ بھی مرتب کر ڈالا جس میں پسندیدہ شعراء کے اشعار جمع کئے، یہ انتخاب

آپ کی دقت نظر اور ادبی ذوق کی بلندی کا واضح نمونہ ہے[1]۔

بارودی کے اندر شاعری کی صلاحیت فطری تھی، آپ نے اس جوہر کو اپنے مطالعہ اور محنت سے مزید جلا دی، عربی زبان کے علاوہ فارسی اور ترکی سے واقفیت کے بعد آپ کی فکر و نظر میں وسعت اور نکھار پیدا ہوا، اسی طرح جلاوطنی کے ایام میں آپ نے انگریزی زبان بھی سیکھی اور بعض کتابوں کا ترجمہ بھی کیا، ان تمام باتوں سے آپ کے تخیل میں بلندی اور شاعری میں زور پیدا ہوا۔

بارودی کی شاعری کو فروغ دینے میں زندگی کے طویل تجربات، گہرے مطالعہ اور ذہنی صلاحیت کے ساتھ ساتھ ان کے خاندان کا بھی دخل ہے، یوں سمجھئے کہ شاعری آپ کو ورثہ میں ملی تھی، کہتے ہیں ۔

انا فی الشعر عریق　　لم ارثه عن کلاله

کان ابراهیم خالی　　فیه مشهور المقاله

یعنی: شاعری ہمارے خاندان کا پرانا سرمایہ ہے، میں خاندان کا تنہا شاعر نہیں ہوں۔
میرے ماموں ابراہیم بھی اس میدان میں بڑی شہرت کے مالک تھے۔

شاعری | بارودی کی شاعری کے تعارف سے پہلے ہم شعر کے بارے میں ان کی رائے کا تذکرہ مناسب سمجھتے ہیں، بارودی نے اپنے دیوان کے مقدمہ میں شعر کی جو تعریف کی ہے اس سے کوئی واضح مفہوم متعین نہیں ہوتا، اشارہ وکنایہ کے اسلوب میں آپ نے جو بات کہی ہے اس سے شعر کی جامع ومانع تعریف اخذ کرنا مشکل ہے، آپ کی نظر میں شعر ایک ذہنی خیال ہے جس سے دل متاثر ہوتا ہے اور زبان اس کیفیت کو الفاظ کے ذریعہ بیان کرتی ہے، یہ خیال کسی حسین منظر کے دیکھنے یا رنج وغم کی قلبی واردات سے پیدا ہوتا ہے[2]۔

بارودی کی نظر میں عمدہ شعر وہ ہے جس میں تکلف، ذہنی الجھاؤ اور منطقیانہ قضایا کی بھرمار

---

[1] الشیخ المرصفی: الوسیلۃ الادبیۃ ص ۴۷۴، [2] النور الجندی: الشعر العربی المعاصر ص ۲۱،

نہ ہونے۔ متنبی اور ابو تمام کے مقابلہ میں بحتری کو جن تنقید نگاروں نے "شاعر" کہا ہے وہ اسی خیال کے حامی ہیں کہ شعر میں منطق و فلسفہ کا استدلالی رنگ نہیں آنا چاہیئے۔

بارودی کے نزدیک شاعری کا مقصد یہ ہے: تهذيب النفوس وتدريب الأفهام وتنبيه الخواطر الى مكارم الأخلاق، یعنی: نفوس انسانی کو مہذب بنانا، فہم و ذہن کو مشاق بنانا اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کی طرف دل کو متوجہ کرنا۔

بارودی کی شاعری ہر طرح کی آورد اور تکلف سے پاک ہے، ان کے دیوان کا مطالعہ کیجئے تو اندازہ ہوگا کہ شاعر کے ذہن میں معانی کا ایک تسلسل ہے جسے وہ الفاظ کے ذریعہ ادا کرتا جارہا ہے، نہ تو کہیں کسی طرح کا جھول اور نہ آورد کا کوئی شائبہ، ایک فطری شاعر کی یہی خصوصیت ہے۔ مصر کے مشہور نقاد و ادیب علامہ عباس العقادؒ لکھتے ہیں: عربی شاعری کو صناعی اور بیجا تکلف سے نکالکر فطری اور مناسب رنگ دینے میں بارودی کی کوششیں سب سے زیادہ نمایاں ہیں، ان کی شاعری جذبات کی صحیح ترجمان اور فنی لحاظ سے بیداغ ہے[2]۔

اپنی اسی امتیازی خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بارودی کہتے ہیں ؎

اقول بطبع لست احتاج بعده — الى المنهل المطروق والمنهج الوعر
اذا جاش طبعي فاض بالدر منطقي — ولا عجب فالدر ينشأ في البحر

یعنی: میں آمد پر شعر کہتا ہوں، نہ تو کسی کی تقلید پیش نظر ہوتی ہے اور نہ بہ تکلف شعر کی خواہش، جب طبیعت میں جوش پیدا ہوتا ہے تو زبان سے اشعار کے موتی جھڑنے لگتے ہیں، یہ تعجب کی بات نہیں کیونکہ موتی دریا ہی میں پیدا ہوتا ہے۔ یعنی میں معانی کا دریا ہوں۔

شاعری کو اوج کمال تک پہونچانے میں بارودی کی فطری صلاحیت اور مضبوط حافظہ کے ساتھ ساتھ ان کی مسلسل کاوش اور جد و جہد کا بھی بڑا دخل ہے، انھیں یہ یقین تھا کہ صرف

---

[1] انور الجندی: الشعر العربي المعاصر ص ۴۴، [2] عباس محمود العقاد: شعراء مصر وبيئاتهم في الجيل الماضي

فطری صلاحیت سے شاعری میں وہ حسن نہیں پیدا ہوسکتا تھا جس سے ان کے اشعار کو دوام حاصل ہو، بلکہ اس کے لئے اشعار کی تہذیب و ترتیب اور ان پر نظر ثانی ضروری ہے۔ "الوسیلۃ الادبیۃ" میں شیخ مرصفی نے جو اشعار نقل کئے ہیں ان کے اور دیوان کے اشعار کے درمیان جو اختلاف نظر آتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بارودی نے اشعار کو ترمیم و اصلاح کے بعد دیوان میں شامل کیا اور "الوسیلۃ" میں مذکورہ اشعار پہلی ہی شکل میں باقی رہ گئے۔ چنانچہ الوسیلۃ میں ایک شعر ہے ؎

اقاموا زمانا ثم بدد شملهم　　اخو نتکات بالکرام اسمه الدهر

اور یہی شعر دیوان میں یوں مذکور ہے ؎

اقاموا زمانا ثم بدد شملهم　　ملول من الایام شیمته الغدر

اس اختلاف سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ بارودی اپنے اشعار پر نظر ثانی کرتے تھے اور حتی الامکان ان میں کسی طرح کا ضعف یا معانی میں پیچیدگی باقی نہیں چھوڑتے تھے۔

بارودی کی شاعری میں جہاں قدیم شعراء کا تتبع کیا گیا ہے وہیں پر اشعار کے ایسے نمونے بھی موجود ہیں جن میں ان کی شخصیت اور تجدد پسندی نمایاں ہے، شاعر کی واضح شخصیت اور فن کو سامنے لانے کے لئے ہم دونوں قسم کے اشعار کا تذکرہ ضروری سمجھتے ہیں

قدیم رنگ | عباسی دور کے شعراء کی طرح بارودی کی شاعری بھی وصف، ہجو، مرثیہ، عتاب، فخر وغیرہ اصناف سخن میں محدود ہے، قدماء کی تقلید اور ان کی شاعری کے تتبع میں بارودی نے بعض اوقات بہت مبالغہ سے کام لیا ہے اور یہ بھول بیٹھے ہیں کہ وہ مصر میں ہیں، نجد و حجاز کی فضا اور ماحول ان سے بہت دور ہے، لکھتے ہیں ؎

یا سعد قل لی فانت ادری　　متی رعان العقیق تبدو

اشتاق نجدا و ساکنیه　　واین منی الغداة نجد

یعنی: سعد بتاؤ، کیونکہ تم زیادہ جانتے ہو، وادی نجد کی پہاڑی کب نظر آئے گی ؟

میں نجد اور اس کے باشندوں کا مشتاق ہوں، کیا ہم صبح نجد پہونچ جائیں گے ؟

جاہلی شعراء اکثر اپنے قصیدوں میں کھنڈرات اور محبوب کی قیام گاہ کا تذکرہ کرتے ہیں، بارودی نے اس صنف میں بھی ان کا تتبع کیا ہے اور بالکل اسی رنگ کے اشعار پیش کئے ہیں۔ بارودی کے متمدن دور میں کہاں کھنڈرات اور کہاں بدویانہ زندگی ؟ لیکن انھوں نے اپنی شاعرانہ طبیعت کو پرکھنے کی کوشش کی اور یہ اندازہ لگایا کہ وہ اس میدان میں کامیاب ہوسکتے ہیں یا نہیں ؟ بارودی کے اس نوعیت کے اشعار میں تکلف اور تصنع نمایاں ہے کیونکہ ان کے سامنے نہ تو کھنڈرات تھے اور نہ صحرا میں محبوبہ کی قیام گاہ کا نمونہ، لکھتے ہیں ؎

الاحی من اسماء رسم المنازل وان ھی لم ترجع بیانا لسائل

خلاء تعفتھا الرواسم والتقت علیھا اھاضیب الغیوم الحوافل

فلأیا عرفت الدار بعد ترسم اراني بھا ما کان بالأمس شاغلي

غدات وھی مرعی للظباء وطالما غنت وھی مأوی للحسان العقائل

یعنی : محبوبہ کے مکانات کے نشان اور ان کے نام زندہ ہیں، اگرچہ وہ سائل کی بات کا جواب نہ دیں۔

ویران جگہ ہے، ہوا نے اسے مٹا دیا ہے اور اس پر پیہم سخت بارش برس چکی ہے۔

میں نے محبوبہ کے گھر کو بڑی دیر اور تامل کے بعد پہچانا، مجھے گھر اس چیز نے دکھایا جس نے پہلے مجھے فریفتہ بنایا تھا۔

اب وہ ہرنیوں کی چراگاہ ہے، حالانکہ ایک وقت میں خوبصورت عورتوں کا مسکن تھا۔

غزلیہ شاعری میں بارودی نے عورت کے حسن و جمال کا تذکرہ کرتے ہوئے بلا تکلف پرانی تشبیہات کا سہارا لیا ہے، عورت کو ہرن، ماہتاب اور نیل گاؤ سے، آنکھ کو شمشیر اور قد کو درخت کی لچکدار اور نرم و نازک شاخ سے تشبیہ دی ہے ؎

اذا نظرت او اقبلت او تھللت فویل لمھاۃ الرمل والغصن والبدر

یعنی : نیل گاؤ کی طرح دیکھتی ہے، شاخ کی طرح بل کھاتی ہوئی چلتی ہے اور ماہ کامل کی طرح مسکراتی ہے

عورت ہی کے بارے میں ان کا ایک دوسرا شعر ہے ؎

کالورد خدا والبنفسج طرۃ　　والغصن قدا والغزالۃ ملفتا

یعنی: رخسار گلاب کے مانند، پیشانی بنفشہ جیسی، قد ٹہنی کی طرح اور نگاہ ہرنیوں کے مشابہ ہے۔

بارودی نے جس طرح نامور جاہلی شعراء کی تقلید کی ہے اسی طرح دور انحطاط کے شعراء کا تتبع بھی کیا ہے اور شعر سے تاریخ نکالی ہے، لیکن ایسے اشعار ان کے دیوان میں بہت کم ہیں۔ ترکی کے دار الخلافۃ سے اسماعیل پاشا کی واپسی کی تاریخ ۱۲۸۹ھ میں یہ اشعار ملتے ہیں ؎

رجع الخدیو لمصرہ　　وانت طلائع نصرہ

وتھللت بقدومہ　　فرحا اسرۃ عصرہ

فلتبتھج اوطانہ　　بحلولہ فی قصرہ

ولیشتھر تاریخہ　　رجع الخدیو لمصرہ

یعنی: بادشاہ نصرت وکامیابی کا پیش خیمہ بن کر واپس آیا۔

اس کی آمد سے زمانہ کا چہرہ چمک اٹھا۔

محل میں نزول سے وطن مصر کو مسرور ہو جانا چاہئے۔

ان واپسی کی تاریخ یہ مشہور ہے: رجع الخدیو لمصرہ۔ ۱۲۸۹ھ

بارودی نے ظاہری لحاظ سے جس طرح قدیم شعراء کی تقلید کی ہے اسی طرح معنوی لحاظ سے بھی انھوں نے پرانی شاعری کو پیش نظر رکھا ہے، نئے مفہوم ان کے یہاں کم ملتے ہیں، غزل کا شعر ہے ؎

طربت وعادتنی المخیلۃ والسکر　　واصبحت لایلوی بشیمتی الزجر

کانی مخمور سرت بلسانہ　　معتقۃ مما یضن بھا التجر

یعنی: حالت سرور میں ماضی کی یاد اور مدہوشی لوٹ آتی ہے، پھر مجھے تنبیہ وملامت کی پرواہ نہیں ہوتی۔

میں ایسے مدہوش کی مانند ہوں جسے پرانی اور قیمتی شراب پلادی گئی ہو۔

اسی مفہوم کو ابونواس نے اس طرح بیان کیا ہے ؎

حامل الھوی تعب یستخفہ الطرب

ان بکی یحق لہ لیس ما بہ لعب

یعنی: عاشق دردمند ہے، طرب اس کے غم کا بوجھ ہلکا کرتا ہے۔
اگر روئے تو حق بجانب ہے، اس کا مرض کھیل نہیں ہے۔

مذکورہ قصیدہ میں دو شعر ہیں جن کا مضمون جاہلی شاعر طرفۃ بن العبد سے ماخوذ ہے، بارودی کہتے ہیں ؎

لعمرک ماحی وان طال سیرہ یعد طلیقا والمنون لہ اسر

وما ھذہ الایام الا منازل یحل بھا سفر ویترکھا سفر

یعنی: بلاشبہ کوئی انسان آزاد نہیں تصور کیا جاسکتا کیونکہ موت کا پھندا اس کے گلے میں ہے۔
دنیا کے شب و روز کی مثال سرائے کی ہے جہاں مسافر آتے اور جاتے رہتے ہیں۔

اسی مضمون کو طرفۃ نے یوں ادا کیا ہے ؎

لعمرک ان الموت ما اخطا الفتی لکالطول المرخی وثنیاہ بالید

یعنی: بلاشبہ آدمی موت سے بچ نہیں سکتا، جیسے لٹکتی ہوئی رسی جس کا سرا ہاتھ میں ہو۔

بارودی کے مقابلہ میں طرفۃ کا یہی ایک شعر زیادہ ٹھوس اور خوبصورت ہے کیونکہ طرفۃ نے انسان کو ایسی مقید شئی سے تشبیہ دی ہے جس کی رسی موت کے ہاتھ میں ہے، وہ اسے جب چاہے اپنی طرف کھینچ لے اور زندگی کا سلسلہ منقطع ہوجائے۔ بارودی نے ایام کو منازل سے اور انسان کو مسافر سے تشبیہ دی ہے، اس قسم کی تشبیہ احادیث نبویہ اور واعظین کے اقوال میں کثرت ملتی ہے۔

تقلید و تتبع کی ان مثالوں کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بارودی کی شاعری نئے مفہوم و معانی

سے خالی ہے، یہ حکم اکثریت کے پیش نظر لگایا گیا ہے ورنہ ان کی شاعری میں جدت کے ایسے نمونے بھی موجود ہیں جن میں ان کی شاعرانہ شخصیت اور ان کا فن بالکل نمایاں ہے۔ اپنے احساس وشعور اور مشاہدات کو قلمبند کرتے ہوئے انھوں نے بہت سے ایسے خیال بھی پیش کئے ہیں جن میں ان کی حیثیت مقلد کے بجائے ایک صاحب طرز شاعر کی ہے[1]۔

بارودی کی شاعری کے تجدیدی گوشوں کا تذکرہ ہم ذیل میں پیش کر رہے ہیں:

بارودی کی شاعری کے تجدیدی پہلو

وصف نگاری: یہ وصف عربی شاعری میں قدیم ہے، جاہلی دور سے لیکر آج تک ہر شاعر نے کم وبیش اس صنف پر طبع آزمائی کی ہے، لیکن بارودی نے اس پر مستقل نظمیں لکھی ہیں اور صرف ضمنی طور پر وصف نگاری پر اکتفا نہیں کیا ہے، فطری، احساس کی تیزی اور شاعرانہ طبیعت نے انھیں منظر نگاری پر مجبور کیا اور ان کی زبان سے ایسے اشعار نکلے جنھیں فن منظر نگاری کا بہترین نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

منظر نگاری پر جن شعرا نے توجہ دی ہے ان میں بارودی کا مقام بہت ممتاز ہے، اس صنف میں ان کے اشعار عربی ادب کا قابل فخر سرمایہ اور آئندہ نسل کے لئے بہترین نمونہ بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

برسات کی رات میں بجلی کی چمک، ہوا کے تیز جھونکوں کی سنسناہٹ، بارش کے تسلسل اور رات کی بھیانک تاریکی کا منظر یوں کھینچا ہے ؎

ولیلۃ ذات تهتان واندیہ　　کانما البرق فیہا صارم سلط

لف الغمام اقاصیہا ببردتہ　　وانهل فی حجریتها وابل سبط

---

[1] عمر الدسوقی: فی الادب الحدیث ج ۱ ص ۱۹۰،

بهماء لا يهتدي الساري بكوكبها | من الغمام ولا يبدو بها نمط
يكاد يجهل فيها القوم امرهم | لولا صهيل جياد الخيل واللغط
كانما البرق سوط والحيا نجب | يلوح في جسمها من مسه حبط

یعنی: تاریک بھیگی رات میں بجلی تلوار کی طرح کوندتی ہے۔
بدلی نے اپنی چادر میں اسے پوری طرح لپیٹ لیا اور اس کے دونوں کنارے تیز اور موسلا دھار بارش ہوئی۔
رات تاریک ہے، چلنے والا گھٹاؤں کے سبب تاروں کی روشنی سے بھی محروم ہے اور راستہ دکھائی نہیں دیتا۔
گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور شور وغوغا نہ ہو تو لوگ کچھ نہ سمجھیں گے
بجلی کوڑے کی مانند اور بارش گھوڑوں جیسی ہے جن کے جسم کوڑا پڑنے سے نشاندار ہو گئے ہیں۔
موسم بہار میں مصر کے دیہات اور وہاں کے سرسبز و شاداب مناظر کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھا ہے ؎

عم الحيا واستنت الجداول | وفاضت الغدران والمناهل
وازينت بنورها الخمائل | وغردت في ايكها البلابل
وشمل البقاع خير شامل | نصفحة الارض نبات خائل

یعنی: بارش کا زمانہ آیا، نالیاں بہنے لگیں، تالاب اور چشمے ابل پڑے۔
درخت کلیوں سے آراستہ ہو گئے اور ان کی شاخ پر بلبل گانے لگی۔
ہر طرف خیر و برکت کے آثار نمایاں ہیں، روئے زمین پر ہریالی ہی ہریالی ہے۔
بارودی نے اس قصیدہ میں نہایت سادگی اور ایجاز کے ساتھ دیہات کے مناظر کی تصویر کشی کی ہے، مفہوم واضح اور تشبیہات تکلف سے پاک ہیں، تخیل میں کسی طرح کی تعقید یا پیچیدگی نہیں

پائی جاتی۔

وصف نگاری میں بارودی کا کمال اور دقت پسندی صرف فطری مناظر کی تصویر کشی تک محدود نہیں ہے، بلکہ انھوں نے انسان کی قلمی تصویر پیش کرتے ہوئے بھی اپنے فنی کمال کا ثبوت دیا ہے۔ ایک مصور اپنی تصویر کے ذریعہ آدمی کے خد و خال کو واضح کرسکتا ہے لیکن اس کی نفسانی کیفیت اور دلوں کے خیالات کی ترجمانی تصویر سے نہیں ہوسکتی۔ بارودی جب روسیوں سے جنگ کے لئے مصر کے فوجی دستے کے ساتھ وہاں پہونچے اور بلغاریوں سے سابقہ پڑا تو ان کی قلمی تصویر ان الفاظ میں پیش کی ہے

بلاد بها اما بالجحيم، وانما مكان اللظى ثلج بها وجليد

تجمعت البلغار والروم بينها وزاحمها التاتار، فهي حشود

اذا راطنوا بعضا سمعت لصوتهم هديدا تكاد الأرض منه تميد

قباح النواصي والوجوه كأنهم لغير أبي هذا الانام جنود

لهم صور ليست وجوها وانما تناط اليها اعين وخدود

يخورون حولي كالعجول، وبعضهم يهجن لحن القول حين يجيد

یعنی: یہ ملک جہنم کا نمونہ ہے، البتہ یہاں شعلوں کی جگہ اولہ اور برف ہے۔

یہاں بلغاری، رومی اور تاتاری سب جمع ہیں۔

جب یہ عجمی زبان میں باتیں کرتے ہیں تو ان کی آواز سے زمین دہلتی معلوم ہوتی ہے۔

بدصورتی کی وجہ سے گمان ہوتا ہے کہ آدم کی اولاد نہیں ہیں۔

ان کی شکل سے چہرے کا پتہ نہیں چلتا صرف آنکھ اور رخسار نظر آتے ہیں۔

بیل کی طرح آواز نکالتے ہیں، عربی بولتے ہیں تو ضرور غلطی کرتے ہیں۔

مصر کے مشہور آثار قدیمہ کے بارے میں بھی بارودی نے اشعار کہے ہیں، اور بعد کے شعراء کے لئے اپنی کوششوں سے راستہ ہموار کیا ہے، "اہرام جیزہ" کے بارے میں لکھا ہے

سل الجیزۃ الفیحاء عن هرمی مصر　　لعلک تدری غیب مالم تکن تدری

بناء ان ردا صولۃ الدھر عنھما　　ومن عجب ان یغلبا صولۃ الدھر

اقاما علی رغم الخطوب لیشھدا　　لبانیھما بین البریۃ بالفخر

فکم امم فی الدھر بادت واعصر　　خلت، وھما اعجوبۃ الفکر

یعنی: "جیزہ" کے علاقہ سے "اہرام مصر" کے بارے میں دریافت کرو تاکہ تمھیں نامعلوم امر کا راز معلوم ہو۔

ان دونوں عمارتوں نے زمانہ کی سطوت کا رخ پھیر دیا، تعجب ہے کہ کیسے زمانہ پر غالب آگئے۔ اپنے بانیوں کے لئے فخر کی گواہی اور ان کا فضل ثابت کرنے کے لئے حوادث زمانہ کے باوجود اب تک باقی ہیں۔

دنیا میں بہت سی قومیں اور مختلف ادوار آئے لیکن یہ دونوں عمارتیں فکر و نظر کے لئے اعجوبہ بن کر کھڑی ہیں۔

سیاسی شاعری | بارودی کی سیاسی شاعری میں بھی ان کی شخصیت پوری طرح نمایاں ہے، اس قدیم صنف سخن کو انھوں نے اپنی ذہانت اور فطری استعداد سے ایک نیا رنگ عطا کیا، انھیں ظلم و تعدی سے نفرت، عدل و انصاف، مساوات اور شورائی نظام حکومت سے محبت تھی جس کا اظہار انھوں نے سیاسی اشعار میں کیا ہے۔ اس طرح کے اشعار نے عوام میں ان کی مقبولیت کو چار چاند لگا دیئے اور وہ ایک مخلص اور سچے رہنما کی حیثیت سے معروف ہوئے۔

بارودی کے سیاسی اشعار میں ظلم و تعدی کے خلاف نفرت کا جو اظہار کیا گیا تھا اور موجودہ نظام حکومت پر جس طرح کڑی نکتہ چینی کی گئی تھی اس کے متوقع نتائج سے بچنے کے لئے ارباب حل و عقد نے انھیں جلا وطن کر دیا، لیکن بارودی کی انقلاب پسند طبیعت پر اس جلا وطنی کا کوئی اثر نہیں ہوا بلکہ وہ برابر اس طرح کے اشعار کہتے رہے، جب تک ان کا یہ رویہ باقی رہا حکام نے انھیں جلا وطن رکھا، پھر جب ان کا سیاسی جوش ٹھنڈا ہوا اور اشعار کی انقلابی دعوت

مدھم پڑی تو انھیں وطن واپس آنے کی اجازت دی گئی۔

بارودی کے عزائم انتہائی بلند تھے، وہ اسلاف کی عظمت وریاست کے حصول کے متمنی تھے اور اس سلسلہ میں انھیں اپنی فکر ودانش اور فراست وتدبر پر یقین تھا لیکن ان کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی، اس راہ میں ان کے سامنے مشکلات ومصائب کے پہاڑ کھڑے تھے مگر اس کے باوجود ان کے عزائم میں کسی طرح کا کوئی فتور نہیں پیدا ہوا۔ کہتے ہیں ؎

ویلاہ من حاجۃ فی النفس ھام بھا   قلبی، وقصر عن ادراکہا باعی

اسعی لہا وھی منی غیر دانیۃ   وکیف یبلغ شأو الکوکب الساعی؟

یعنی: نفس کی اس خواہش پر افسوس ہوتا ہے جس پر دل فریفتہ ہے اور اس کے حصول کی طاقت نہیں۔

میں اپنے مقصد کے لئے کوشاں ہوں لیکن وہ مجھ سے دور ہے، ستارہ کی بلندی اور مقام کی کوشش کرنے والا کیسے پاسکتا ہے؟

سیاسی عزت واقتدار کے حصول کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات کا انھیں خود اعتراف ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ دشواریاں پیش نہ آتیں تو ان کا مدعا حاصل ہوجاتا ؎

وانی امرؤ لولا العوائق اذعنت   لسطوتہ البدو والمغیرۃ والحضر

یعنی: میں ایسا انسان ہوں کہ اگر رکاوٹیں نہ ہوتیں تو میرے دبدبہ کے سامنے دیہاتی وشہری سب سر جھکاتے۔

ایک شریف اور بہادر انسان کی طرح بارودی کو ظلم سے نفرت اور آزادی وانصاف سے عشق تھا، ان کے ماحول وخاندان اور فوجی تربیت سے اس جذبہ کو جلا ملی تھی، عربی زبان کی فخریہ وبہادرانہ شاعری کا گہرا مطالعہ کرنے سے بارودی کی طبیعت کا جوش اور زیادہ ابھر گیا تھا، ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے میں پیش آنے والے خطرات سے سہم کر وہ خاموشی پر موت کو ترجیح دیتے ہیں ؎

دع الذل فی الدنیا لمن خاف حتفہ　　فللموت خیر من حیاۃ علی اذی

یعنی: دنیا کی ذلت موت سے ڈرنے والے کا حصہ ہے، ذلت برداشت کر کے جینے سے موت بہتر ہے۔

بارودی کے زمانہ میں انقلاب کی جو تحریک چل رہی تھی اس کی حمایت پر عوام کو ابھارتے ہوئے کہتے ہیں ؎

فیا قوم ھبوا انما العمر فرصۃ　　وفی الدھر طرق جمۃ ومنافع

اصبرا علی مس الھوان وانتم　　عدید الحصی؟ انی الی اللہ راجع

وکیف ترون الذل دار اقامۃ　　وذلک فضل اللہ فی الارض واسع

یعنی: اے قوم کے لوگو! کھڑے ہو جاؤ یہ زندگی ایک موقع ہے، دنیا میں وسائل و منافع بکثرت ہیں۔ اگر تم اپنی کثیر تعداد کے باوجود ذلت گوارا کرلو تو یہ انا للہ پڑھنے کا مقام ہے۔ ذلت و توہین میں زندگی بسر کرنے پر تم کیوں تیار ہو جبکہ زمین میں ہر جگہ اللہ کا فضل اور رزق موجود ہے۔

لیکن یہ انقلاب جب ناکام ہوگیا تو بارودی کو لوگوں کے رویے پر شدید رنج ہوا کیونکہ آپس کا اختلاف اور کوتاہ اندیشی ہی تحریک انقلاب کی ناکامی کا سبب تھی۔ تحریک انقلاب کی زعامتا لوگوں کی کوتاہ بینی اور انقلاب کی ناکامی پر اپنی برا ءت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

دعونی الی الجلی فقمت مبادرا　　وانی الی امثال تلک لسابق

فلما استمر الجد ساقوا جموعھم　　الی حیث لم یبلغہ حار وسائق

فلا رحم اللہ امرأ باع دینہ　　بدنیا سواہ، وھو للحق رامق

علی اننی حذرتھم غب امرھم　　واللہ تھم لو کان یفقہ مائق

فظنوا بقولی غیر ما فی یقینہ　　علی اننی فی کل ما قلت صادق

فتبا لھم من معشر لیس فیھم　　رشید ولا منھم خلیل یصادق

فیالیتنی راجعت حلمی ولم اکن زعیما وعاقتنی لذاک العوائق
وقد اقسموا ان لا یزولوا فما بدا سنا الفجر الا والنساء طوالق

یعنی: لوگوں نے مجھے ایک عظیم الشان امر کی دعوت دی، میں نے ان کی آواز پر لبیک کہا، اس طرح کے کام میں سبقت میری خصوصیت ہے۔
جب کوشش کا سلسلہ شروع ہوا تو انھوں نے اپنی سواری کا رخ انجان راستے کی طرف موڑ دیا۔
اللہ ایسے آدمی پر رحم نہ کرے جس نے حق دشمنی میں دین کو دنیا کے عوض فروخت کردیا۔
میں نے انھیں انجام سے باخبر کردیا تھا اور تنبیہ کردی تھی، کاش احمق لوگ سمجھتے!
میری بات کا انھیں یقین نہ آیا حالانکہ میں نے جو کہا تھا سچ تھا۔
ایسی جماعت کا برا ہو جس میں کوئی سمجھدار اور دوستی کے قابل نہیں۔
کاش میں سوچ لیتا اور ایسے لوگوں کی زعامت قبول نہ کرتا یا مجھے اس کام سے کوئی چیز روک دیتی!
انھوں نے ثابت قدم رہنے کی قسم کھائی تھی لیکن صبح ہونے سے قبل عورتیں مطلقہ ہوگئیں یعنی انھوں نے قسم توڑ دی۔

ان سیاسی اشعار کی تخلیق، آبائی عزت وجاہ کی تمنا اور انقلاب آفرینی کے سبب باروری جلاوطن بھی ہوئے لیکن نئے سیاسی طرز کی شاعری کو انھوں نے ترک نہیں کیا، ان کے اس طرح کے اشعار عربی شاعری میں ایک نئی حیثیت کے حامل ہیں۔ متنبی نے اس سے پہلے حکام پر تنقید کی تھی اور حکومت واقتدار کے حصول کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا لیکن اس کے اشعار میں اشارے اور تلمیحات زیادہ ہیں، زمانہ کو اس نے اپنی ملامت کا ہدف بنایا مگر اس کے اشعار میں بارودی جیسا رنگ نہیں ہے، بارودی نے اپنے لئے اقتدار کی طلب کے ساتھ ہی قوم کے لئے آزادی، عدل، مساوات اور راحت کی زندگی کا مطالبہ بھی کیا ہے۔
ہجوگوئی | اس صنف سخن کے دو پہلو ہیں: کبھی تو شاعر کسی خاص آدمی کی مذمت کرتے ہوئے

اسے اپنے اشعار کا موضوع بناتا ہے، اسے "ذاتی ہجو" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اکثر عرب شعراء نے اسی صنف کو اختیار کیا ہے۔ اور کبھی شاعر کسی سماجی خرابی اور معاشرہ کے بگاڑ یا غلط نظام حکومت پر تنقید کرتا ہے، اسے "سماجی ہجو" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس نوعیت کے اشعار کا بنیادی مقصد سماج کی اصلاح ہوتی ہے۔

ایک شاعر کو عالمی حیثیت اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ سماجی ہجو کے ذریعہ غلط رسم و رواج پر تنقید کرتا ہے، یورپ کے اکثر شعراء نے اسی طرح معاشرہ کی برائیوں اور غلط نظام حکومت پر نکتہ چینی کی ہے۔

بارودی کی شاعری میں مذکورہ بالا دونوں قسم کے اشعار پائے جاتے ہیں لیکن سماجی ہجو کے اشعار زیادہ ہیں، انھوں نے بیشتر اشعار میں لوگوں کے ظلم و بیوفائی اور خود غرضی و نفاق کا رونا رویا ہے اور ان برائیوں کو دور کرنے کی کوشش کی ہے جن میں ان کے دور کے اکثر لوگ مبتلا تھے۔ معاشرہ کی برائیوں پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے ایک قصیدہ میں کہا ہے ؎

بئس العشیر وبئست مصر من بلد — اضحت مناخا لأهل الزور والخطل

ارض تأثل فیها الظلم وانقذفت — صواعق الغدر بین السهل والجبل

یعنی: مصر کے لوگ اور یہ شہر برا ہے، جھوٹے اور فریب کار لوگوں کا اڈہ ہے۔

ظلم اس سرزمین میں جڑ پکڑ چکا ہے اور ہر جگہ بیوفائی کی بجلیاں کوند رہی ہیں۔

زمانہ کی مذمت اور معاصرین کی تلون مزاجی و بیوفائی پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

انا فی زمان غادر ومعاشر — یتلونون تلون الحرباء

اعداء غیب لیس یسلم صاحب — منهم، واخوة محضر ورخاء

اقبح بهم قوما بلوت اخاءهم — فبلوت اقبح ذمة واخاء

قد اصبحوا للدهر سبة ناقم — فی کل مصدر محنة وبلاء

واشد ما یلقی الفتی فی دهره — فقد الکرام وصحبة اللؤماء

یعنی: میں بے وفا زمانہ اور ایسی جماعت کے درمیان ہوں جو گرگٹ کی طرح رنگ بدلتی ہے۔
پیٹھ پیچھے دشمنی کرتے ہیں، ان کے شر سے کسی کو نجات نہیں، سامنے آتے ہیں یا خوشحالی دیکھتے ہیں تو بھائی بن جاتے ہیں۔
بڑی بری قوم ہے، میں نے ان کی اخوت کو آزمایا تو کھوٹے ثابت ہوئے۔
ہر مصیبت و آزمائش کے موقع پر یہ باعث عار بن جاتے ہیں۔
ایک معقول آدمی کے لئے شرفار کی غیر موجودگی اور کمینے لوگوں کی مصاحبت بڑی صبر آزما چیز ہے۔

بارودی نے ان اشعار میں اپنے کسی مخصوص دشمن کو ہدف ملامت نہیں بنایا ہے بلکہ معاشرہ اور سماج میں پھیلی ہوئی برائیوں پر غصہ و ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔
ذاتی و شخصی ہجو میں آپ کے یہ اشعار بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں ؎

ان ملکا فیہ ریاض وزیر — لمباح للخائنین وبل
اھوج احمق شتیم لئیم — اغتم ابلہ زنیم عتل
صغرت راسہ وافرط فی الطو — ل شواء وعنقہ فھو صعل
ابرزت قدرۃ الطبیعۃ فیہ — شکل لؤم ان کان للؤم شکل
کن کما شئت یا ریاض وماشا — ءت رجال فانت للؤم أھل
لیس تغنی الالقاب عن کرم الأصـ — ـل فمجد الفتی عفاف وعقل

یعنی: جس حکومت میں ریاض جیسا آدمی وزیر ہو وہ حکومت خیانت کاروں کا لقمۂ تر ہے۔
وہ ناعاقبت اندیش، احمق، بدصورت، کمینہ، غلط بیان، کند ذہن اور بد اخلاق ہے۔
سر چھوٹا، بے انتہا لمبا قد، بدشکل اور کوتاہ گردن ہے۔
قدرت نے اس کے ذریعہ کمینہ پن کا سراپا پیش کیا ہے اگر اس کا کوئی سراپا ہو سکتا ہے۔
ریاض! جیسے چاہو رہو لیکن ہر حال میں کمینگی تمہارے ساتھ رہے گی۔

القاب سے بزرگی نہیں ملتی، بلکہ شرافت، پاکدامنی اور دانائی سے حاصل ہوتی ہے۔
بارودی کے دیوان میں ہجویہ اشعار زیادہ نہیں ہیں کیونکہ آپ کو اس صنف سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی، لیکن حالات اور زمانہ سے مجبور ہو کر آپ نے اس صنف کو ہاتھ لگایا اور ان اشعار میں ہمیشہ تعمیری و اصلاحی پہلو کو پیش نظر رکھا، بارودی کے اس قسم کے اشعار میں کچھ تجدیدی پہلو کی بھی جھلک ہے، انھوں نے اپنے دور کے لوگوں کی تصویر مخصوص انداز میں پیش کی ہے اور اس سلسلہ میں کسی طرح کی خوشامد اور نفاق کا پہلو نہیں پیدا ہونے دیا۔

مرثیہ | بارودی نے مرثیہ صرف انھیں لوگوں کا لکھا ہے جن سے ان کا قلبی تعلق اور مخلصانہ لگاؤ تھا، اسی لئے آپ کے مرثیوں میں سچے جذبات صاف طور پر ظاہر ہیں، آپ نے زمانہ کا شکوہ کیا ہے، مرنے والے کے محاسن گنائے ہیں اور پرانے شعراء کی طرح میت کے لئے دعاء خیر کی ہے آپ نے اکثر مرثیے جلاوطنی میں لکھے ہیں اسی لئے ان میں سوز و حسرت کا بھرپور اظہار ہوا ہے۔ اپنے بیٹے کی موت پر جو مرثیہ لکھا ہے اس کے چند اشعار یہ ہیں ؎

کیف طوتک المنون یا ولدی؟   وکیف اودعتک الثری بیدی؟
واکبدی، یا علی بعدک لو   کانت تبل الغلیل وا کبدی!!
کم لیلة فیک لا صباح لها   سهرتها باکیا بلا مدد،،
ماکنت ادری اذ کنت اخشی علیـ   ـک العین ان الحمام بالرصد

یعنی: موت نے کیسے تمھیں اپنی لپیٹ میں لے لیا، اور کس طرح میں نے تمھیں اپنے ہاتھ سے سپرد خاک کیا؟

میرے لخت جگر! تیری جدائی پر افسوس! کاش میرا غم دور ہو میرے لخت جگر!
بہت سی طویل راتیں میں نے تیرے غم میں رو کر گذارتی ہیں جبکہ میرا کوئی مونس و غمخوار بھی نہیں تھا۔
میں تمھیں نظر بد سے بچاتا تھا لیکن یہ نہ معلوم تھا کہ موت تمہاری گھات میں لگی ہے۔

لنکا میں آپ جلاوطنی کی زندگی گذار رہے تھے، وہیں پر رفیقۂ حیات کی موت کی خبر ملی جس سے آپ سخت متاثر ہوئے اور ایک دردناک مرثیہ لکھا، مرثیہ کا پہلا شعر یہ ہے ؎

ايد المنون قدحت اى زناد　　　واطرت اية شعلة بفؤادي

یعنی: موت! تونے کیسی آگ لگادی، اور کتنا زبردست شعلہ میرے دل میں بھڑکا دیا

عرب شعراء نے اپنی بیویوں کے مرثیے بہت کم لکھے ہیں، اس لئے آپ کے اس مرثیہ کو عربی ادب میں خاص اہمیت ہے۔ اس مرثیہ میں آپ نے بیوی کی وفاداری، محبت اور اس کے بارے میں اپنے جذبات کی بہت صحیح ترجمانی کی ہے۔

زہد و پرہیز گاری | بارودی کی طبیعت تحصیل ملک وجاہ اور دنیاوی نعمتوں سے لطف اندوزی کی طرف مائل تھی، ایسی صورت میں زہد کی طرف ان کے میلان کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، لیکن اس مقصد میں ایک طرح کی ناکامی اور جلاوطنی کی وجہ سے وہ گویا زہد اور دنیا سے بے تعلقی پر مجبور ہو گئے، جب ان کے دل پر یاس وناامیدی کا غلبہ ہو جاتا تھا تو وہ دنیا کی زندگی سے دل برداشتہ ہو کر موت کا تذکرہ کرتے اور عمل صالح کی طرف رغبت اور جہالت ونادانی کی باتوں سے نفرت کا اظہار کرتے تھے۔ گذرے ہوئے بادشاہوں کے تذکرے، ان کی شان وشوکت اور دنیا سے بے بسی کے ساتھ ان کا کوچ اور اس طرح کے دوسرے مضامین ان کے زاہدانہ اشعار میں ملتے ہیں۔ ان کے اس قسم کے اشعار انھیں ابو العتاہیہ، صالح بن عبد القدوس وغیرہ جیسے شعراء کی صف میں کھڑا کر دیتے ہیں، کہتے ہیں ؎

كل حي سيموت　　　ليس في الدنيا ثبوت
حركات سوف تفني　　　ثم يتلوها خفوت
وكلام ليس يحلو　　　بعده الا السكوت
ايها السادر قل لي　　　اين ذاك الجبروت
نالت التيجان عنهم　　　وخلت تلك التخوت

یعنی: ہر زندہ شخص ضرور مرے گا۔ کیونکہ دنیا بے ثبات ہے۔
تگ و دو ختم ہو جائے گی پھر سکون ہو جائے گا۔
ایسا کلام ہوگا جس کے بعد خاموشی ہی اچھی معلوم ہوگی۔
اے مدہوش و متکبر! بتا وہ جبروت و جلال کہاں گیا؟
تخت و تاج سب ختم ہو گئے، ان کا آج کوئی نشان بھی باقی نہیں رہا۔

حِکَم | بارودی کے اشعار میں حکمت و دانائی کی باتیں بکثرت ہیں، دیوان میں ایسے اشعار معتدبہ مقدار میں موجود ہیں، متقدمین ہی کے خیالات کو انھوں نے اپنے پرشکوہ اسلوب میں پیش کیا ہے، آپ کے بہت سے اشعار تو ضرب المثل بن گئے ہیں۔ چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں ؎

ومن تکن العلیاء ھمۃ نفسہ فکل الذی یلقاہ فیھا محبب

یعنی: بلندی کے طالب کے لئے اس راہ کی تمام دشواریاں خوشگوار معلوم ہوتی ہیں

وقلیلاً ما یصلح المرء للجد اذا کان ساقط الأجداد

یعنی: آدمی اگر عالی نسب نہ ہو تو کوشش سے اس کا نیک بخت ہو جانا مشکل ہے۔

والدھر کالبحر لا ینفک ذا کدر وانما صفوۃ بین الوری لمع

یعنی: زمانہ سمندر کی طرح ہمیشہ گدلا رہتا ہے، اس کی صفائی و سازگاری گاہے گاہے ہوتی ہے۔

حرفِ آخر | یہ تھا بارودی کی شاعری کا مختصر جائزہ، ہم نے اس مقالہ میں شاعر کے فن پر تفصیل سے گفتگو نہیں کی ہے لیکن اس کے باوجود اشعار کا جو نمونہ پیش کیا گیا ہے ان سے آپ بارودی کی فنی حیثیت اور ان کے زورِ کلام کا اندازہ کر سکتے ہیں، جدید عربی شاعری آپ ہی کی مرہونِ منت ہے، موجودہ زمانہ کے شعراء نے آپ ہی کے نقشِ قدم پر چل کر اپنے ماحول و زمانہ کی ترجمانی کی ہے۔

بارودی سے بالواسطہ تو بعد کے تمام ہی شعراء نے استفادہ کیا لیکن ان میں خصوصیت سے کچھ نام قابلِ ذکر ہیں: شوقی، حافظ، رافعی، صبری، عبدالمطلب، جارم، کاظمی، رصافی، احمد محرم، کاشف، نسیم، زین وغیرہ۔

بارودی کی شاعری پر تقلیدی رنگ غالب تھا، آپ ہی کے دور میں شاعری میں ایک نئے اسکول کی بنیاد پڑ چکی تھی جس کی رہنمائی مطران، شکری، مازنی، ابوشادی اور عقاد کر رہے تھے، لیکن اس کے باوجود مصر اور دوسرے عرب ممالک کے بہت سے شعراء اسلوب و خیالات میں بارودی ہی کے اسکول کو ترجیح دیتے تھے۔

بارودی کے فخر کے لئے صرف یہ کافی ہے کہ انھوں نے عربی شاعری کو ایک نئی زندگی عطا کی۔ ان کی تقلید بھی تجدید کے مرادف ہے۔ ڈاکٹر ہیکل کا بیان ہے:

"بارودی کا ہر شعر حتیٰ کہ تقلیدی اشعار بھی ان کی تجدید کا نمونہ ہیں[1]" "انتھیٰ"

---

[1] عمر الدسوقی: فی الادب الحدیث ج ۱، ص ۲۳۸

حیات ذاکر حسین

مولفہ: خورشید مصطفیٰ صاحب رضوی

صدر جمہوریۂ ہند جناب ذاکر حسین خاں کی خدمت علم اور ایثار و قربانی سے بھرپور زندگی کی کہانی جس پر پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی نے پیش لفظ تحریر فرمایا اور اس کتاب کو قابل رشک و تحسین قرار دیا ہے۔ یہ کتاب متعدد انگریزی، اردو کی کتابوں، ملکی اور غیر ملکی رسائل و اخبارات کی چھان بین کے بعد قلم بند کی گئی ہے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی تاریخ کے اہم دور یعنی ذاکر صاحب کے زمانہ کے حالات و واقعات سے مستند ترین حوالوں اور خود ذاکر صاحب سے متعدد ملاقاتوں کی روشنی میں پہلی بار پردہ اٹھایا گیا ہے۔ کتابت طباعت اور کاغذ بہتر۔ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ عمدہ پارچہ کی جلد۔ قیمت آٹھ روپے

مکتبہ برہان، اردو بازار، جامع مسجد دہلی ۶